رسیدم من به دریائے که موجش آدمی خوار است
نه کشتی اندر آن دریا نه ملاحی عجب کار است
شریعت کشی، دارد طریقت بادبان او
حقیقت لنگر دارد که راه فقر دشوار است
چون آبش جمله خون دیدم بتر سیدم ازآن دریا
بدل گفتم چرا ترسی گذر باید که ناچار است
ندا از حق چین آمد مگر از جان نمی ترسی
هزاراں جان مشتاقان در این دریا نگو نسار است
بگفتم من همی آیم کمر بستم چو غوا صان
چه ترسم از نهنگائے که گل پیو سته بارخار است
بهشتم هستی خود راشُدم روئے خدا آندم
بسر دادن گرفتن سرِ سرِ بازار وا پار است
ایا "شاه حسین" سخن پاپر دی داراں گو
بیاهی در جهاں یارے جهان پر از اغیار است

دریائے معرفت

شریعت، طریقت، حقیقت

قلندرِ کبریا اس غزل میں دریائے معرفت کا تذکرہ کر رہے ہیں جہاں عام انسان کا گزر ممکن نہیں ہے فرماتے ہیں کہ میں اس دریا میں داخل ہو چکا ہوں اس کی موجیں عام انسان کو نگل جائیں گی اس دریا میں نہ کوئی کشتی ہے نہ ملاح ہے. شریعت اس کی کشتی ہے طریقت اس کے بادبان ہیں حقیقت اس کا لنگر ہے بے شک فقراء کا راستہ نہایت دشوار ہے. جب میں نے اس فانی دنیا کی خوانخوار آتش کو دیکھا تو اس دریائے معرفت میں اتر گیا اور اپنے دل سے کہا کہ ڈرتا کیوں ہے اس سے بے خوف خطر گزر جا، ہزاروں عاشقوں کی جانیں اس دریا میں قربان ہو چکی ہیں اس لئے اس دریا سے نہ ڈر، معرفت کے غوطہ خوروں کی مانند میں نے بھی دنیاوی کپڑے اتار دیئے ہیں. اس لئے مجھے اب کسی قسم کا خوف و خدشہ نہ رہا ہے۔

اے شہباز قلندر رازداروں سے اسرارِ حق کی بات کر اغیار تمہاری باتیں نہیں سمجھیں گے۔

ظاہر ہے کہ حُب دنیا رکھنے والے افراد عرفان کی وہ منزلیں جو شریعت طریقت، حقیقت سے ہوتی ہوئی معرفت تک پہنچتی ہیں انکو وہ لوگ کیا سمجھیں گے۔

ظاہر پرست افراد جو اپنے اس نفس کی ہوا ہوس میں گرفتار ہیں ان کے لئے طریقت و حقیقت و معرفت کو سمجھنا محال ہے۔۔